© rasailojaraid.com

نحن الآخرون السابقون یوم القیامۃ، بید انّھم أوتو الکتاب من قبلنا، ثم ھذا یومھم الذی فُرض علیھم فاختلفوا فیہ، فھدانا اللّٰہ لہ۔۲۰

ہم دنیا میں تمام امتوں کے بعد ہونے کے باوجود قیامت میں سب سے آگے رہیں گے۔ اہل کتاب کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی، پھر یہ دن (جمعہ) ان پر فرض ہوا، لیکن انہوں نے اس میں اختلاف کیا، پس اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف ہماری رہ نمائی کی۔

اس سے امام بخاریؒ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اہل کتاب پر جمعہ فرض تھا، لیکن انھوں نے اسے فراموش کر دیا۔ اس سے انھوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ ہم پر بھی جمعہ فرض ہے۔

نتیجہ بحث

شرائع سابقہ سے استدلال اور ان کو قابل اتباع ماننے کا مسئلہ کافی اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبر کو شریعت سے نوازا تھا اور اس کی امت کو اس پر عمل کا پابند کیا تھا۔ اسی طرح آخری شریعت کا نزول خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوا۔ اقامتِ دین اور اقامتِ شریعت ایک ہی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دین تمام امتوں کے لیے ایک ہی تھا، البتہ ان کی شریعتوں میں حالات کے لحاظ سے کچھ فرق رہا ہے۔ مثال کے طور پر نماز تمام شریعتوں میں فرض رہی ہے، مگر اس کے اوقات، اجزاء اور رکعات میں فرق تھا۔ اسی پر ہم دیگر احکامِ شریعت کو قیاس کر سکتے ہیں۔ شریعت محمدی دوسری شرائع کی ترقی یافتہ اور جامع ترین شکل ہے۔ خصوصاً ملتِ ابراہیمی کی جامع ترین صورت ہے۔ اسی بنا پر جمہور علماء سابقہ شریعتوں کو ان معاملات میں حجت سمجھتے ہیں جن میں نصوص سے ان کا نسخ ثابت نہ ہو۔ امام بخاریؒ کی روایت کردہ احادیث اور استدلالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مذہبِ جمہور راجح ہے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی صحیح کے بہت سے ابواب میں سابقہ شرائع سے استدلال کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی ومراجع

۱۔ الصحاح: ۳/۱۲۳۶؛ تہذیب اللغۃ: ۱/۴۲۵؛ کتاب العین: ۲/۳۲۳؛ اساس البلاغۃ، ص ۲۳۳

۲۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی، باب ثواب الأضحیۃ، ۳۱۲۷

۳۔ صحیح بخاری، کتاب التیمّم، باب التیمّم، ۳۳۵

۴۔ الاحکام فی اصول الاحکام: ۴/۱۹۰؛ اصول البزدوی، ص ۲۳۲؛ ارشاد الفحول: ۲/۲۵۷؛ اصول مذہب الامام احمد بن حنبلؒ: ص ۴۸۵ ومابعد، المستصفی: ۲/۱۸۴۔ بیان المختصر شرح مختصر ابن الحاجب الاصفہانی، محمود بن ربیع: ۱/۲۱۰

۵۔ سنن ابی داوٗد، کتاب الصلوۃ، باب فی من نام عن صلوٰۃ اونسیھا، ۴۳۵؛ صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلوٰۃ، باب من نسی الصلوۃ فلیصلّ اذ ذکرھا، ۵۹۷؛ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب قضاء الصلوٰۃ الفائتۃ، ۱۱۰۶

۶۔ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب صوم داوٗد، ۱۹۷۹؛ صحیح مسلم: ۱۱۵۹

۷۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیائ، باب قولہ تعالیٰ وَھَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ مُوْسٰی: ۳۳۹۷

۸۔ ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، ص ۲۱۰

۹۔ الاحکام فی اصول الاحکام: ۴/۱۹۰؛ اصول البزدوی، ص ۲۳۲؛ المستصفی من علم الاصول، ۱/۱۵۲؛ البحر المحیط فی اصول الفقہ: ۶/۴۱

۱۰۔ سنن ابی داوٗد، کتاب الاقضیۃ، باب اجتہاد الرأی فی القضائ، ۲۵۹۲

۱۱۔ مسند احمد: ۳/۳۳۸

۱۲۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، سورۃ الشوریٰ، حاشیہ نمبر ۲۰

۱۳۔ فتح الباری بشرح صحیح البخاری: ۱۱/ ۴۸

۱۴۔ صحیح بخاری، کتاب الغسل، باب من اغتسل عریاناً۔۔۔؛ صحیح مسلم: ۳۳۹

۱۵۔ حوالہ سابق

۱۶۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب من احب الدفن فی الارض المقدسۃ اونحوہا، ۱۳۳۹، کتاب احادیث الانبیائ، باب وفاۃ موسیٰ وذکرہ بعدہ، ۳۴۰۷، صحیح مسلم: ۲۳۷۲

۱۷۔ صحیح بخاری، ابواب التہجد، باب من نام عند السحر، ۱۱۳۱

۱۸۔ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب صیام یوم عاشورائ، ۲۰۰۴، صحیح مسلم، ۱۱۳۰

۱۹۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب صفۃ النبی، ۳۵۵۸

۲۰۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعۃ، باب فرض الجمعۃ، ۸۷۶

☆☆☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکم رانوں کا عدالتی استثناء

(اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک جائزہ)

جناب مقبول حسن

عدالتی استثناء (Judicial Immunity) سے مراد ہے قاضی (judge) کی طرف سے عدل کے معروف طریقے سے ہٹ کر کسی کے ساتھ بہ وجوہ خصوصی برتاؤ کرنا اور اسے عام قانون وضابطے سے بالاتر جانتے ہوئے عدالتی عمل سے بری الذمہ اور مستثنیٰ قرار دینا۔ یہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ جیسے جیسے اسلامی تعلیم وتربیت کی گرفت ڈھیلی پڑتی گئی اور لوگوں کے دلوں میں خوفِ خدا کم ہوتا چلا گیا، ذاتی اغراض اجتماعی مقاصد پر غالب آتی گئیں، طبقاتی کش مکش اور تعصّبات کا غلبہ ہو گیا تو لوگوں نے یہ قاعدہ گھڑلیا کہ حکومت کے اعلیٰ عہدے دار اس سے مستثنیٰ ہیں۔ سپریم کورٹ بار، پاکستان کے سابق صدر بیرسٹر اعتزاز احسن کے مطابق ''فی زمانہ دنیا کے تمام ممالک کا یہ قانون (بن چکا) ہے کہ جب تک کوئی شخص مملکت کا سربراہ ہے، اس وقت تک وہ کسی بھی قانون کی گرفت سے بالاتر ہے اور وہ عدالت میں حاضری سے مستثنیٰ ہے اور عدالت اسے طلب نہیں کرسکتی۔ لہٰذا ایسی صورت میں وہ عدالت میں اپنا دفاع بھی نہیں کرسکتا۔ بنا بریں اس پر کسی قسم کا مقدمہ نہیں چلایا جاسکتا۔''[۱]

پاکستان میں کچھ عرصے سے صدارتی استثناء کا معاملہ عدالتوں میں زیرِ بحث ہے۔ آئینِ پاکستان میں بھی صدرِ پاکستان اور تمام گورنروں کو اپنے عہدے کی مدت کے دوران ہر طرح کے فوج داری مقدمات اور گرفتاری سے استثناء حاصل ہے۔[۲]

اس معاصر قانونی نظریے اور قانون وضابطے کی بنا پر درج ذیل سوالات ابھرتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ کیا کسی خاص شخص کو عدالتی و قانونی استثناء حاصل ہوسکتا ہے؟

۲۔ کیا سربراہِ مملکت/حکومت، قانون سے بالا اور عدالت میں حاضری سے مستثنیٰ ہے؟

۳۔ کیا عدالت کسی مقدمے میں سربراہِ مملکت کو بھی طلب کرسکتی ہے اور اسے بھی قانون کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے؟

۴۔ کیا سربراہِ مملکت کو یہ تحفظ اور قانون سے استثناء دینا قانونِ فطرت اور عدل و انصاف کے اُصولوں کے سراسر منافی نہیں ہے؟

اس مقالہ میں یہ جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی کہ اسلام اس سلسلے میں ہماری کیا راہ نمائی کرتا ہے؟ اسلامی تعلیمات، اسلامی تاریخ اور اسلامی عدالتی روایات کی روشنی میں ان سوالات کا کیا جواب ملتا ہے؟

تمام انسان برابر ہیں

جب ہم اسلامی تعلیمات کی طرف رجوع کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی نظر میں تمام انسان مساوی ہیں اور کسی شخص کو کسی دوسرے پر سوائے تقوی کے کوئی فضیلت اور ترجیح حاصل نہیں ہے، خواہ وہ سربراہِ مملکت ہو یا کوئی عام شخص۔ ارشادِ ربانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُم شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوا اِنَّ اَكْرَمَكُم عِندَ اللّٰهِ اَتْقٰكُم۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيم خَبِير۔ (الحجرات: ۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔

اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ اسلامی عدالتوں نے نہ صرف وقت کے حکمرانوں کو بلا استثناء عدالت میں طلب کیا، بلکہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ان کے خلاف فیصلے بھی صادر فرمائے، جن کو انھوں نے نہ صرف خندہ پیشانی سے قبول کیا، بلکہ اسلامی عدالتوں کے ان عدل و انصاف پر مبنی فیصلوں کی توصیف و تعریف بھی فرمائی۔ تاریخ سے معلوم ہوتا کہ عدل و انصاف پر مبنی ان فیصلوں سے متاثر ہوکر متعدد لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عدل کے بارے میں قرآنی احکام

قرآن مجید میں جا بجا اللہ تعالیٰ نے بلا تفریق عدل و انصاف کرنے اور حق کا ساتھ دینے کا حکم دیا ہے۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:

وَقُلْ آمَنْتُ بِمَآ اَنزَلَ اللّٰہُ مِن كِتٰبٍ وَاُمِرتُ لِاَعدِلَ بَینَکُم ۔ (الشوریٰ: ۱۵)

اور کہہ دیجئے! اللہ نے جو کتاب بھی نازل کی ہے، میں اس پر ایمان لایا ہوں اور مجھے تمہارے درمیان انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

وَاِذَا حَکَمتُم بَینَ النَّاسِ اَن تَحکُمُوا بِالعَدلِ. (النسائ: ۵۸)

اور جب بھی تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔

وَاِن حَکَمتَ فَاحکُم بَینَھُم بِالقِسطِ۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ المُقسِطِینَ۔ (المائدۃ: ۴۲)

اور اگر آپ ان لوگوں کے درمیان کوئی فیصلہ کریں تو انصاف کے ساتھ کریں، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

قُل اَمَرَ رَبّی بِالقِسطِ۔ (الاعراف: ۲۹)

کہہ دے کہ میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا کُونُوا قَوّٰمِینَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالقِسطِ۔ وَلَا یَجرِمَنَّکُم شَنَاٰنُ قَومٍ عَلٰی اَلَّا تَعدِلُوا اِعدِلُوا ھُوَ اَقرَبُ لِلتَّقوٰی۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیرٌ بِمَا تَعمَلُونَ۔ (المائدۃ: ۸)

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے لیے حق پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بن کر رہو، اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث عدل کو ہرگز نہ چھوڑو۔ عدل کرو، یہی تقویٰ کے بہت زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک تم جو عمل کرتے ہو، اللہ اس سے خوب آگاہ ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَامُرُ بِالعَدلِ وَالاِحسَانِ۔ (النحل: ۹۰)

بے شک اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔

عدل و انصاف کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسوہ

اسلام نے عدل و انصاف کے تقاضوں کی خاطر کسی کو بھی شریعت و قانون سے بالاتر قرار نہیں دیا۔ عام سربراہِ مملکت تو دور کی بات ہے، دنیا کی سب سے عظیم ہستی، پیغمبرِ خدا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس نظامِ عدل سے بالاتر نہیں سمجھا۔ آپؐ نے ایک موقع پر اپنے آپ کو صحابہ کرامؓ کے سامنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیش کرتے ہوئے فرمایا: ''اگر کوئی شخص مجھ سے کسی قسم کا بدلہ لینا چاہتا ہے تو لے لے؟ ایک شخص کھڑا ہوگیا اور کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم! ایک بار آپؐ نے مجھے چھڑی ماری تھی، میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اسے بدلہ لینے کی اجازت دے دی۔ اس شخص نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم! جب آپ نے چھڑی ماری تھی تو اس وقت میرے جسم پر کپڑا نہیں تھا، جب کہ آپ کے جسم پر قمیص ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنی قمیص اتاری اور فرمایا: اب بدلہ لے لو۔ تب وہ صحابی آپ کے جسمِ اطہر کے ساتھ لپٹ گئے اور اس کا بوسے لینے لگے اور کہا: یا رسول اللہ! میرا مقصد تو یہ تھا۔''[۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو اپنی صاحب زادی سیدہ فاطمہؓ بہت محبوب تھیں، لیکن آپؐ نے ایک موقع پر عدل وانصاف کے قیام میں بطورِ خاص ان کی مثال بیان فرمائی۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ قبیلۂ بنومخزوم کی ایک عورت نے چوری کی اور اس کا جرم ثابت ہوگیا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم جاری فرمایا۔ اس کے قبیلے والوں نے سوچا کہ اگر اس عورت کا ہاتھ کٹ گیا تو ہماری ہر جگہ رسوائی ہو جائے گی۔ چنانچہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے منظورِ نظر صحابی حضرت اُسامہ بن زیدؓ کو سفارش کے لیے آپؐ کے پاس بھیجا کہ اس عورت کا جرم معاف کردیا جائے۔ جب انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے سامنے اس کے معاملے میں سفارش پیش کی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''اتشفع فی حد من حدود اللہ؟ (کیا تم اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد کے بارے میں سفارش کرنے آئے ہو؟)۔ پھر آپؐ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا، جس میں فرمایا:

انما اھلک الذین قبلکم انھم کانوا اذا سرق فیھم الشریف ترکوہ واذا سرق فیھم الضعیف أقاموا علیہ الحد، وایم اللہ لو ان فاطمة بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سرقت لقطعتُ یدھا۔''[۴]	تم سے پہلے لوگوں کو اس چیز نے تباہ و برباد کردیا کہ جب ان میں کوئی معزز آدمی چوری کر لیتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کم زور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد نافذ کردیتے۔ اللہ کی قسم، اگر فاطمہ بنتِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا۔

عادل حکمراں کے لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے:

فإذا عدل کان لہ الأجر۔[۵]	اگر وہ عدل کرے گا تو اس کے لیے اجر ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح آپؐ نے ارشاد فرمایا:

فان عدلوا فِلاَنفسھم،وان ظلموا فعلیھا۔"۶؎ — اگر وہ انصاف کریں تو یہ انہی کے حق میں (فائدہ مند) ہے اور اگر ظلم کریں تو اس کا وبال ان پر ہوگا۔

لوگوں کے درمیان صلح صفائی اور عدل و انصاف کے بارے میں آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے:

یعدل بین الناس صدقۃ۔ ۷؎ — آدمی لوگوں کے درمیان انصاف کرے۔ یہ صدقہ ہے۔

عدل اور خلفاءِ راشدین کا تعامل

خلفائے راشدین نے بھی اپنے آپ کو اس نظامِ عدل سے کبھی بالاتر نہیں سمجھا اور اپنی ذات کو قانون و شریعت سے مستثنیٰ نہیں رکھا، کیونکہ قرآن و سنت میں اس کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ ایک موقع پر امیرالمؤمنین سیدنا عمر بن خطابؓ نمازِ جمعہ کے لیے جا رہے تھے۔ جب سیدنا عباسؓ کے گھر کے پاس سے گزرے تو اس کے پرنالے سے گرنے والی گندگی سے ان کے کپڑے خراب ہوگئے۔ حضرت عمرؓ نے اس پرنالے کو اُکھاڑنے کا حکم دے دیا۔ گھر واپس لوٹ کر دوسرے کپڑے پہن کر آئے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔ حضرت عباسؓ نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: "یہ پرنالہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جگہ خود لگایا تھا۔" یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ نے اپنی بات سے رجوع کرلیا اور پرنالہ دوبارہ وہیں لگوا دیا۔ ۸؎

ایک بار حضرت عمر بن خطابؓ نے لوگوں کے سامنے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "لوگو! تم بہت زیادہ مہر کیوں مقرر کرنے لگے ہو، حالاں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے صحابہ چار سو درہم یا اس سے کم مہر مقرر کیا کرتے تھے۔ اگر زیادہ مہر مقرر کرنا عزت و افتخار کا باعث ہوتا تو تم ان سے سبقت نہ لے جاسکتے تھے۔ یہ کہہ کر آپ منبر سے نیچے اتر آئے۔ ایک قریشی عورت کھڑی ہوگئی اور کہا: اے امیرالمؤمنین! آپ عورتوں کے مہر کی حد مقرر کرنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ نے قرآنِ مجید کی یہ آیت نہیں سنی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ آتَیْتُم اِحْدٰ ھُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَاخُذُوا مِنهُ شَیئاً۔ (النساء:۲۰) (خواہ تم نے اسے ڈھیر سا مال ہی کیوں نہ دیا ہو، اس میں سے کچھ واپس نہ لینا۔) یہ سنتے ہی سیدنا عمرؓ نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استغفار کیا اور کہا: ”ہر شخص عمر سے زیادہ فقیہ ہے“۔ دوبارہ منبر پر چڑھے اور فرمایا: لوگو! میں نے تمھیں چار سو درہم سے زیادہ مہر دینے سے منع کیا تھا۔ میں اپنی بات واپس لیتا ہوں۔ اب جو جتنا چاہے، اپنے مال سے مہر دے سکتا ہے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں: اِمرأۃ أصابت ورجل أخطأ۔ ”عورت نے درست بات کہی اور مرد نے خطا کی۔“ ۹؎

خلفاے راشدین جہاں اپنے آپ کو آئین و قانون سے بالاتر نہیں سمجھتے تھے، وہیں وہ تمام مسلمانوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرتے تھے۔ ان کے نزدیک شرفاء اور عام مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اگر کسی حکومتی عہدے دار کے خلاف کوئی شکایت ملتی تو فوراً اس کی تحقیق کرتے اور ذمہ داران کو سزا دیتے۔ حتیٰ کہ اگر کسی حکومتی عہدے دار پر کوئی بھی معمولی الزام آتا تو فوراً اسے معزول کر دیتے، تاکہ عدل کے تقاضوں کو پورا کیا جاسکے اور اس کا عہدہ عدل کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے۔

ایک موقع پر امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے حج کے موقع پر تمام گورنروں کو طلب کیا اور مجمع عام میں کھڑے ہوکر اعلان فرمادیا: ”اگر کسی مسلمان کو ان کے خلاف ظلم کی کوئی شکایت ہو تو وہ پیش کرے“۔ مجمع میں سے ایک شخص اُٹھا اور اس نے کہا: ”آپ کے گورنر عمرو بن عاصؓ نے مجھے ناحق سو کوڑے لگوائے ہیں، میں ان سے بدلہ لینا چاہتا ہوں“۔ خلیفۂ وقت نے کہا کہ اُٹھو اور اپنا بدلہ لے لو۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے کہا: ”اے امیر المؤمنین! آپ گورنروں کے خلاف یہ راستہ نہ کھولیں“۔ مگر سیدنا عمرؓ نے فرمایا: میں نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے آپ سے بدلہ لیتے دیکھا ہے۔ اے شخص! اٹھ اور اپنا بدلہ لے۔ آخر کار حضرت عمرو بن عاصؓ کو ہر کوڑے کے بدلے میں دو، دو اشرفیاں دے کر جان بچانی پڑی۔ ۱۰؎

ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ کے درمیان کسی بات پر اختلاف ہوگیا۔ ان دونوں نے حضرت زید بن ثابتؓ کو منصف مقرر کرلیا کہ جو وہ فیصلہ کریں گے، وہ ہمیں قبول ہے۔ چنانچہ دونوں صحابہ کرامؓ حضرت زید بن ثابتؓ کے پاس گئے اور ان کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کیا۔ حضرت زید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بن ثابتؓ نے امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کے احترام میں اُنہیں اپنے ساتھ بٹھانا چاہا، مگر انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں اپنے فریق کے ساتھ ہی بیٹھوں گا۔ چنانچہ یہ دونوں اصحاب بطور مدعی اور مدعا علیہ سیدنا زید بن ثابتؓ کے سامنے بیٹھ گئے۔ سیدنا ابی بن کعبؓ نے اپنا دعویٰ پیش کیا، جب کہ سیدنا عمرؓ بن خطاب نے اس دعویٰ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ سیدنا زید بن ثابتؓ نے سیدنا ابی بن کعبؓ سے کہا: آپ امیر المؤمنین سے درگزر فرمائیں اور اپنا دعویٰ واپس لے لیں۔ شرعی ضابطے کے مطابق حضرت زیدؓ کو سیدنا عمرؓ بن خطاب سے قسم لینی چاہیے تھی، لیکن انہوں نے احتراماً اس سے احتراز کیا تو حضرت عمرؓ نے خود قسم کھائی، پھر فرمایا: اللہ کی قسم! زید اس وقت تک منصبِ قضا کے لائق نہیں ہو سکتے جب تک ان کے نزدیک امیر المؤمنین عمرؓ اور ایک عام مسلمان برابر نہ ہوں۔ ۱۱؎

اہل کوفہ نے امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ کی عدالت میں کوفہ کے گورنر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی شکایت کی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اُنھیں معزول کر کے ان کی جگہ حضرت عمارؓ کو کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا۔ اہل کوفہ کی شکایتوں میں یہ بات بھی تھی کہ وہ نماز اچھی طرح سے نہیں پڑھاتے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو بلا بھیجا اور پوچھا: اے ابو اسحق! یہ کوفہ والے شکایت کرتے ہیں کہ آپ اچھی طرح سے نماز نہیں پڑھا سکتے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میں اُنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نماز پڑھایا کرتا تھا اور اس میں کسی قسم کی کمی نہیں کرتا تھا۔ میں عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں قراءت لمبی کرتا ہوں اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے ابو اسحق! آپ کے بارے میں میرا یہی گمان ہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے ساتھ ایک آدمی کوفہ روانہ کیا۔ اُنہوں نے تمام مسجدوں میں گھوم کر اہل کوفہ سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے متعلق پوچھا اور سب نے ان کے متعلق تعریفی کلمات کہے۔ لیکن بنو عبس کی مسجد میں ابو سعد اسامہ بن قتیبہ نامی شخص نے کہا: جب آپ ہمیں قسم دے کر ان سے متعلق ہماری شکایت معلوم کرتے ہیں تو ہماری شکایت یہ ہے کہ سعد جنگ میں نہیں جاتے تھے، مالِ غنیمت برابر تقسیم نہیں کرتے تھے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انصاف کے ساتھ فیصلہ نہیں کرتے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اس کی بات سن کر کہا: اللہ کی قسم! تو نے تین جھوٹی شکایتیں کی ہیں، میں بھی تجھے تین بددعائیں دیتا ہوں: ''اے اللہ! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے اور اس نے ریاکاری اور شہرت کے لیے میری شکایت کی ہے تو اس کی عمر لمبی کر، اس کو فقر میں مبتلا کر اور اسے فتنوں کا شکار بنادے۔'' روایت میں ہے کہ اس آدمی کو حضرت سعد کی بددعا لگ گئی۔ جب اس سے پوچھا جاتا تو وہ کہتا: ''بوڑھا آدمی ہوں، آزمائش میں ڈالا گیا ہوں، سعد کی بددعا مجھے لگ گئی ہے''۔ یہ آدمی اتنا بوڑھا ہوگیا تھا کہ اس کی آنکھوں کی پلکیں گر چکی تھیں۔[۱۲]

مذکورہ واقعہ سے معلوم ہوا کہ کوفہ کے گورنر سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ بالکل بے قصور تھے اور ان پر لگائی جانے والی تہمت جھوٹی تھی، لیکن اس کے باوجود حضرت عمرؓ نے عدل کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے انھیں معزول کردیا اور ان کے بارے میں اچھا گمان رکھنے کے باوجود اس تہمت کی تحقیق کروائی۔

ایسا ہی ایک اور واقعہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں پیش آیا۔ آپؓ مسجدِ نبوی میں تشریف فرما تھے، ایک آدمی وہاں سے گزرا جو کہہ رہا تھا۔ ''اے عمر! تمہارے لیے 'ویل' (جہنم کا ایک حصہ) ہے۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اس آدمی کو میرے پاس لایا جائے۔ اسے لایا گیا تو آپؓ نے پوچھا: تم نے یہ بات کیوں کہی ہے؟ وہ کہنے لگا: آپ حکام مقرر کرتے وقت انھیں شرائط کا پابند تو کرتے ہیں، مگر ان کا محاسبہ نہیں کرتے کہ انہوں نے وہ شرائط پوری کی ہیں یا نہیں۔ اس پر امیرالمؤمنین نے اس سے دریافت کیا: آخر بات کیا ہے؟ اس نے بتایا: آپ کے مصری گورنر نے ان شرائط کو فراموش کردیا ہے اور آپ کے منع کردہ امور کا ارتکاب کیا ہے۔ سیدنا عمرؓ نے یہ شکایت سننے کے فوراً بعد دو انصاری صحابہ کو مصر روانہ کیا کہ وہاں جا کر تفتیش کریں اور اگر اس آدمی کی بات درست نکلے تو مصر کے گورنر کو گرفتار کرکے ان کی خدمت میں لائیں۔ ان لوگوں نے مصر کے گورنر کو گرفتار کرکے امیرالمؤمنین سیدنا عمرؓ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت عمرؓ اسے پہچان نہیں پائے۔ کیونکہ مصر کا حاکم بن کر جانے سے قبل وہ گندمی رنگ کا تھا، مگر جب مصر کی سرسبزی و شادابی اسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

راس آئی تو وہ گورا چٹا اور بھاری بھر کم انسان بن گیا۔ امیر المؤمنین نے فرمایا: تیرا ستیاناس ہو۔ جس بات سے تجھے منع کیا گیا اس کو تو نے گلے لگا لیا، مگر جس بات کا حکم دیا گیا تھا اس کو تو فراموش کر بیٹھا۔ اللہ کی قسم! میں تجھے ضرور عبرت ناک سزا دوں گا۔ پھر انھوں نے اون کا ایک پھٹا ہوا لباس، ایک لاٹھی اور صدقے میں آئی ہوئی تین سو بکریاں منگوا کر اس 'حاکم مصر' سے فرمایا: ''یہ لباس پہنو، میں نے تیرے باپ کو اس سے بھی خراب لباس پہنے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ لاٹھی اٹھاؤ جو تیرے باپ کی لاٹھی سے بہتر ہے اور فلاں چراگاہ میں جا کر ان بکریوں کو چراؤ'' وہ آدمی فوراً زمین پر گر گیا اور کہنے لگا: اے امیر المؤمنین! یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکتا، چاہے آپ میری گردن اُڑا دیں۔ امیر المؤمنین نے فرمایا: ''اگر میں تمہیں گزشتہ منصب پر بحال کر دوں تو پھر تم کس طرح کے آدمی بن کر رہو گے؟ اس نے جواب دیا: ''اللہ کی قسم! اب اس کے بعد آپ تک وہی بات پہنچے گی جو آپ پسند کریں گے۔'' چنانچہ اس کے بعد وہ آدمی مصر کا ایک مثالی گورنر بن گیا اور اپنی ذمہ داریاں خوف و تقویٰ اور اخلاص و للٰہیت کے ساتھ انجام دینے لگا۔ ۱۴۳

اسلامی عدالتوں کا عدل و انصاف پر مبنی ایسا ہی ایک مشہور واقعہ حضرت علیؓ کے عہد میں پیش آیا، جس میں آپؓ سربراہِ حکومت اور امیر المؤمنین ہونے کے باوجود بطورِ ایک فریق عدالت میں حاضر ہوئے اور گواہ پیش نہ کرنے کی صورت میں آپؓ کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا گیا، جسے آپؓ نے برضا و خوشی قبول کر لیا۔ تفصیل یوں ہے کہ ایک بار حضرت علیؓ کی زرہ گم ہو گئی۔ آپ نے اسے ایک یہودی کے پاس دیکھا تو اس سے کہا کہ یہ میری زرہ ہے، فلاں دن گم ہو گئی تھی۔ اس نے آپؓ کا دعویٰ درست ماننے سے انکار کر دیا۔ طے ہوا کہ فیصلہ عدالت میں ہوگا۔ چنانچہ حضرت علیؓ اور وہ یہودی دونوں فیصلے کے لیے قاضی شریح کی عدالت میں پہنچے۔ حضرت علیؓ نے اپنا دعویٰ پیش کیا کہ یہودی کے پاس جو زرہ ہے وہ میری ہے، جو فلاں دن گم ہو گئی تھی۔ قاضی نے یہودی سے پوچھا: آپ کو کچھ کہنا ہے۔ یہودی نے کہا: میری زرہ میرے قبضے میں ہے اور میری ملکیت ہے۔ قاضی شریح نے فرمایا: اے امیر المؤمنین! قانون کے تقاضوں کو پورا کرنا آپ پر واجب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ آپ گواہ پیش کریں۔ حضرت علیؓ نے بطورِ گواہ اپنے غلام قنبر اور اپنے دو بیٹوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو پیش کیا۔ اُنھوں نے بھی آپ کے حق میں گواہی دی۔ قاضی شریح نے کہا: میں آپ کے غلام کی گواہی تو قبول کرتا ہوں، مگر آپ کے حق میں آپ کے بیٹوں کی گواہی ناقابل قبول ہے۔ ایک اور گواہ پیش کیجیے۔ حضرت علیؓ نے کہا: میں نے عمر بن خطابؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے: ''حسنؓ اور حسینؓ نوجوانانِ اہل جنت کے سردار ہیں۔'' قاضی شریح نے کہا: اللہ کی قسم! یہ بالکل حق ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: تو پھر آپ ان کی گواہی قبول کیوں نہیں کرتے؟ قاضی شریح نے کہا: یہ دونوں آپ کے بیٹے ہیں اور باپ کے حق میں بیٹے کی گواہی قابلِ قبول نہیں۔ یہ کہہ کر قاضی شریح نے ان کے خلاف اور یہودی کے حق میں فیصلہ سنا دیا اور زرہ یہودی کے حوالے کر دی۔ یہودی نے تعجب سے کہا: مسلمانوں کا حکم راں مجھے اپنے قاضی کی عدالت میں لایا اور قاضی نے اس کے خلاف میرے حق میں فیصلہ صادر کر دیا اور امیر المؤمنین نے اس کا فیصلہ بلا توقف قبول بھی کر لیا۔ واللہ، یہ تو پیغمبرانہ عدل ہے۔ پھر یہودی نے حضرت علیؓ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: امیر المؤمنین! آپ کا دعویٰ بالکل سچ ہے۔ یہ زرہ یقیناً آپ ہی کی ہے۔ فلاں دن یہ آپ کے اونٹ سے گر گئی تھی تو میں نے اسے اٹھا لیا تھا۔ اس مبنی بر عدل فیصلے سے متاثر ہو کر وہ یہودی مسلمان ہو گیا۔[۱۴]

حکم رانوں اور رعایا کے درمیان نظامِ عدل اور قانونی مساوات کا یہ سلسلہ خلافتِ راشدہ کے بعد بھی پوری آن بان کے ساتھ جاری رہا۔ حکم راں عدالتوں میں پیش ہوتے رہے اور قانون کا سامنا کرتے رہے۔

عدل اور دیگر مشاہیرِ اسلام

عتیبی بیان کرتے ہیں کہ وہ اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے قاضی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ان کی عدالت میں دو آدمی حاضر ہوئے۔ ایک ابراہیم بن محمد تھا اور دوسرا خلیفہ ہشام کا درباری سپاہی۔ دونوں عدالت میں پہنچ کر قاضی کے سامنے بیٹھ گئے۔ درباری سپاہی بولا: قاضی صاحب! امیر المؤمنین اور ابراہیم کے درمیان ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تنازعہ ہے۔ امیر المؤمنین نے مجھے اپنی نیابت کے لیے بھیجا ہے۔ قاضی نے کہا: تمہاری نیابت پر دو گواہ مطلوب ہیں۔ درباری سپاہی بولا: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں امیر المؤمنین کی طرف سے کچھ جھوٹ بولوں گا، حالاں کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی دور کا فاصلہ نہیں ہے، میں ان کا قریبی سپاہی ہوں۔ قاضی نے کہا: شہادت کے بغیر نہ تمہارے حق میں مقدمہ ہوسکتا ہے اور نہ تمہارے خلاف۔ قاضی کا دوٹوک فیصلہ سن کر درباری سپاہی عدالت سے نکل گیا اور خلیفہ کی خدمت میں پہنچ کر پوری داستان سنائی۔ خلیفہ اُٹھ کھڑا ہوا اور تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ عدالت کے باہر موجود تھا۔ عدالت کا دروازہ کھلتے ہی درباری سپاہی آگے بڑھا اور بولا: قاضی صاحب! یہ دیکھیے، امیر المؤمنین حاضر ہیں۔ خلیفہ ہشام کو دیکھتے ہی قاضی صاحب استقبال کے لیے کھڑے ہوگئے، مگر خلیفہ نے انہیں بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر قاضی نے ایک مصلیٰ بچھایا، اس پر خلیفہ اور اس کا فریق مخالف ابراہیم بن محمد بیٹھ گئے۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم حاضرین اس قضیے سے متعلق ہونے والی گفتگو صاف صاف نہیں سن رہے تھے، البتہ کچھ باتیں ہمیں سمجھ میں آرہی تھیں۔ فریقین نے اپنے اپنے دلائل پیش کیے۔ قاضی نے مفصل گفتگو سننے کے بعد خلیفہ ہشام کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ ۱۵؎

ایک موقع پر اہل سمرقند نے اسلامی لشکر کے سپہ سالار قتیبہ بن مسلم کے خلاف اسلامی عدالت میں مقدمہ دائر کردیا۔ قاضی نے مسجد کے ایک کونے میں اپنی نشست سنبھالی اور کارروائی کا آغاز کردیا۔ قاضی کا غلام اس کے سر پر کھڑا ہے۔ بغیر کسی لقب کے امیر لشکر کا نام لے کر بلایا جارہا ہے کہ وہ حاضر ہو۔ امیر لشکر فاتحِ سمرقند قتیبہ بن مسلم حاضر ہوا۔ عدالت نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر اہل سمرقند کے سردار کاہن کو بلوایا اور قتیبہ بن مسلم کے ساتھ بٹھا دیا۔ عدالت نے اپنی کارروائی شروع کی۔

قاضی اپنی نہایت پست آواز میں قاضی کاہن سے مخاطب ہوئے: بتاؤ تم کیا کہتے ہو؟

کاہن: آپ کا کمانڈر قتیبہ بن مسلم ہمارے ملک میں دھوکے سے داخل ہوا ہے۔ اعلانِ جنگ نہیں کیا اور نہ ہمیں اسلام کی دعوت دی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قاضی نے امیر کی طرف دیکھا اور پوچھا: تم کیا کہتے ہو؟

امیرِ لشکر: لڑائی تو دھوکہ ہوتی ہے۔ یہ ملک بہت بڑا ہے۔ اس کے باشندوں کو اللہ تعالیٰ نے ہماری وجہ سے کفر و شرک سے محفوظ کیا ہے اور اسے مسلمانوں کی وراثت اور ملکیت میں دے دیا ہے۔

قاضی: کیا تم نے حملے سے پہلے اہلِ سمرقند کو اسلام کی دعوت دی تھی، یا جزیہ دینے پر آمادہ کیا تھا، یا دونوں صورتوں سے انکار پر جنگ کا اعلان کیا تھا؟

امیرِ لشکر: نہیں، ایسا تو نہیں ہوا۔

قاضی: تو گویا آپ نے اپنے قصور کا اعتراف کر لیا۔

اس کے بعد قاضی نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کی مدد اس لیے کی ہے کہ اس نے دین کی اتباع کی اور دھوکہ دہی سے اجتناب کیا۔ اللہ کی قسم! ہم اپنے گھروں سے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلے ہیں۔ ہمارا مقصود زمین پر قبضہ جمانا نہیں اور نہ حق کے بغیر وہاں حکومت کرنا ہے۔ میں حکم دیتا ہوں کہ مسلمان اس شہر سے نکل جائیں اور شہر اس کے اصل باشندوں کے حوالے کر دیں۔ پھر ان کو دعوتِ اسلام دیں، انھیں جنگ کا چیلنج کریں اور ان سے لڑائی کا اعلان کریں۔“

اہلِ سمرقند نے جو سنا اور دیکھا، اس پر انھیں یقین نہیں آ رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں قاضی کے فیصلے پر عمل درآمد شروع ہو چکا تھا اور فوجیں واپس جا رہی تھیں۔ وہ افواج، جن کے سامنے مدینہ سے لے کر سمرقند تک کوئی چیز رکاوٹ نہ بن سکی، جنھوں نے قیصر و کسریٰ اور خاقان کی قوتوں کو پاش پاش کر کے رکھ دیا، جو رکاوٹ بھی راستے میں آئی، اسے خس و خاشاک کی طرح بہا لے گئیں، مگر آج وہ ایک کم زور، نحیف جسم کے مالک قاضی کے فیصلے کے سامنے بے دست و پا ہو گئیں۔ اس عادلانہ فیصلے کو دیکھ کر اہل سمرقند نے اسلامی فوج کے راستے روک لیے، ان کے گھوڑوں کی باگیں پکڑ لیں کہ ہمارے ملک سے واپس نہ جائیں۔ ہمیں اسلامی عدل و انصاف کی ضرورت ہے۔ پھر چشم فلک نے وہ منظر بھی دیکھا کہ سمرقند کی گلیاں اور چوک اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اُٹھے، لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے لگے۔ [۱۶]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عہدِ اسلام کے اس زرّیں دور میں بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ سربراہِ مملکت اور حکم ران عدالت میں بطورِ گواہ حاضر ہوتا ہے، مگر اس کی گواہی کو مسترد کر دیا جاتا ہے۔ اسی دور کی ایک عدالت کا نقشہ کچھ یوں ہے:

قسطنطنیہ میں، جو مسلمانوں کی سلطنتِ عثمانیہ کا دارالحکومت تھا، عدالت لگی ہوئی ہے۔ قاضی شمس الدین محمد حمزہ کرسئ عدالت پر براجمان ہیں۔ مقدمہ پیش ہوا۔ قاضی نے گواہوں کی فہرست دیکھی۔ اس کے اندر حاکم وقت سلطان بایزید کا نام بھی شامل تھا۔ سامنے دیکھا تو وہ گواہوں کے کٹہرے میں کھڑا ہے۔ اچانک قاضی نے فیصلہ سنا دیا: سلطان بایزید کی گواہی کو مسترد کیا جاتا ہے، کیونکہ وہ قابل اعتبار نہیں ہے۔ عدالت میں سناٹا چھا گیا۔ لوگ حیران اور ششدر رہ گئے۔ سلطان بایزید نے آگے بڑھ کر قاضی کو مخاطب کیا: کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ مجھے گواہی کے قابل کیوں نہیں سمجھا گیا ہے؟ قاضی نے حکم راں کی حاکمانہ حیثیت، مقام و مرتبے اور رعب و دبدبے کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا: ''گواہ باجماعت نماز ادا نہیں کرتا، اس لیے اس کی گواہی ناقابل قبول ہے۔'' حاکم نے فیصلہ سنا اور اس کے سامنے گردن جھکا دی۔ اپنی کمزوری کا اعتراف کیا اور حکم دیا کہ فی الفور میرے محل کے سامنے ایک خوب صورت مسجد بنائی جائے۔ اس کے بعد وہ نمازِ با جماعت سے غفلت کا کبھی مرتکب نہیں ہوا۔ ۱۷؎

تاریخ اسلامی ایسے شان دار اور عدل و مساوات پر مبنی فیصلوں سے بھری پڑی ہے۔ جہاں حکم راں، وزرائ، گورنر اور فوجی سپہ سالار عدالت میں پیش ہوتے اور قاضی کے فیصلوں کے سامنے اپنا سر جھکا لیتے تھے۔ یہ اسلام کا ہی امتیاز ہے کہ اس میں قانونی طور پر تمام انسان برابر ہیں۔ سربراہِ حکومت اور ایک عام شہری کے حقوق میں کوئی فرق نہیں ہے۔

حکم رانوں کا عدالتی استثناء اور عقل

استثناء کا یہ تصور انسانی عقل کو بھی قبول نہیں کہ قانون کی نظر میں کسی بھی بنیاد پر کسی شخص کو کسی دوسرے پر تفوّق اور قانونی و عدالتی استثناء حاصل ہو۔ اگر سربراہِ حکومت کی مختلف حیثیتوں کا عقلی تجزیہ کیا جائے تو بھی یہ بات قرینِ عقل معلوم نہیں ہوتی۔ مثلاً:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) بطورِ انسان: بطورِ انسان سب مساوی ہیں، خواہ کوئی حکم راں ہو یا رعایا۔ جس طرح عام آدمی قانون کا پابند ہے اُسی طرح صاحبِ حکومت بھی اُسی معاشرے کا فرد ہونے کے ناتے قانون کا پابند ہے اور قانون کا اطلاق اُس پر بھی ویسے ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ کیسے امتیازی سلوک کا حق دار ہوسکتا ہے؟

(۲) بطورِ نمونۂ عمل: جو شخص افرادِ ریاست کے معاملات کا ذمہ دار اور حکم راں ہوتا ہے وہ اپنے ماتحتوں اور رعایا کے لیے نمونہ اور مثال ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنے لیے قانونی تحفظ اور عدالتی استثناء کا طلب گار ہوگا تو رعایا میں قیامِ عدل کو کیسے ممکن بنائے گا؟ کیونکہ 'الناس علٰی دین ملوکھم'۔۔۔ عوام تو حکم رانوں کی طرف دیکھتے ہیں۔ پھر تو عوام بھی لازماً احترامِ قانون سے تساہل برتیں گے۔ ایسی صورتِ حال میں معاشرہ یقیناً لاقانونیت اور انارکی کا شکار ہوجائے گا، جیسا کہ آج کل ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

(۳) بطورِ قوتِ نافذہ: حکم راں قوت وطاقت کا مرکز ہوتا ہے اور اس کے پاس قوتِ نافذہ ہوتی ہے۔ اگر اسے خود نظم وقانون سے چھوٹ حاصل ہوجائے تو پھر کون سی قوتِ نافذہ باقی رہ جائے گی؟ پھر تو اُس کے پاس کوئی قانونی واخلاقی جواز ہی نہیں رہتا کہ وہ دوسروں کو قانون کا پابند رکھ سکے اور مجرموں کو قانون کے کٹہرے میں لاسکے۔ اس طرح تو وہ حقِ حکم رانی ہی کھو دیتا ہے۔

(۴) حکم راں کا مقام ومرتبہ: اس میں کوئی شک نہیں کہ حکم راں اپنے مقام ومرتبہ کی وجہ سے انتہائی لائقِ احترام شخصیت ہوتا ہے، لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ قانون سے بالاتر ہوجائے۔ ایسا عقل وفطرت کے خلاف ہے۔ عدالت میں خاص طور پر سب سے یکساں سلوک انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ازحد ضروری ہے۔

مذکورہ بالا آیاتِ قرآنیہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسوہ، خلفاءِ راشدین کے تعامل اور مشاہیرِ اسلام اور قضاۃِ اسلام کے تاریخی وعدالتی کردار اور عقلی وفطری استدلال سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلام میں اصل حیثیت الٰہی شریعت کو حاصل ہے، جب کہ انسانوں کا بنایا ہوا نظامِ سیاست وجمہوریت، جس کا آج دنیا میں بڑا چرچا کیا جا رہا ہے، اس میں یہ حاکمیت اللہ کے بجائے عوام کے نمائندوں کو حاصل ہے۔ اسی وجہ سے وہ اپنے لیے قانون سے بالاتر رہنے کے قواعد بناتے ہیں۔ شریعتِ اسلامیہ

© rasailojaraid.com